ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات
نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اہل کتاب کا شرک

قرآن مجید میں اہل کتاب، بشمول اہل تثلیث کو خالصتاً اصطلاحی مشرک نہیں گردانا گیا ہے۔ قرآن مجید میں 'الْمُشْرِكُوْن' کی اصطلاح مشرکین عرب کے لیے استعمال کی گئی ہے، اہل کتاب کے لیے نہیں۔ مشرکہ عورت سے مسلم مرد کا نکاح حرام ٹھیرایا گیا، لیکن اہل کتاب کی خواتین سے مسلم مردوں کو نکاح کی اجازت دی گئی، مشرکین کے ہاتھ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا گیا، جب کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال کیا گیا۔ ان امتیازات اور رعایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھیں اصطلاحی مشرک نہیں سمجھا گیا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد مشرکین کی سزا، یعنی قتل کے بجاے ان کے لیے محکومی کی سزا مقرر کرنا اسی رعایت کا حصہ ہے۔

اصطلاحی مشرک دراصل وہ ہوتا ہے جو اپنے شرک کی تاویل نہ کرے، وہ تسلیم کرے کہ خدا کے ساتھ دیگر ہستیاں بھی خدا کے کاموں اور عبادت کے استحقاق میں شریک ہیں، گویا مشرک وہ ہے جو شرک کو بطور مذہب مانتا ہو۔ عرب

کے مشرکین اپنے شرک کی تاویل نہیں کرتے تھے اور شرک کو بطور مذہب اختیار کر چکے تھے، وہ خدا کے علاوہ دیگر ہستیوں کو خدائی کاموں اور عبادت کے استحقاق میں شریک مانتے تھے؛ لیکن اہل کتاب کا یہ معاملہ نہیں تھا۔ اہل کتاب میں سے یہود تو نزول قرآن کے دور میں بھی خالص توحید پر قائم تھے، اور اب بھی ہیں، تاہم مسیحیوں کے تثلیث کے عقیدے کو قرآن مجید میں اگرچہ شرک کہا گیا ہے، لیکن انھیں بھی اصطلاحی مشرک نہیں سمجھا گیا، وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے عقیدۂ تثلیث کی تاویل کرتے تھے، ان کا یہی کہنا تھا کہ خدا ایک ہی ہے، مسیح علیہ السلام اور روح القدس، خدا کی ذات کے دو مزید اظہار ہیں۔ مسیحی خود کو موحد ہی گردانتے تھے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے تثلیث کے عقیدے پر اپنی مذہبی کتب سے استدلال بھی کرتے تھے، یعنی کسی درجے میں دلیل بھی رکھتے تھے، لیکن کھلے شرک کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلا تاویل شرک کرنے والا اپنے علم و عقل پر بڑا بہتان باندھتا ہے:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا. (النساء ۴: ۴۸)

''اور (اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے، وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔''

اس لیے خدا نے کھلے شرک کی کوئی معافی نہیں دی، لیکن اہل کتاب میں سے یہود کے علاوہ مسیحیوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آخری دفعہ اتمام حجت کے بعد بھی ان کے شرک بالتاویل کی وجہ سے سزا میں رعایت ملی، قتل کے بجاے محکومی کی سزا دی گئی، اس محکومی کی علامت جزیہ کی ادائیگی تھی۔ اسی طرح یہود کو اس سے پہلے مسیح علیہ السلام کا انکار کرنے پر استیصال کے بجاے مسیحیوں کے ماتحت تا قیامت محکومی کی سزا دی گئی، وجہ یہی تھی کہ وہ توحید سے وابستہ تھے، جب کہ استیصال کی سزا شرک کے ساتھ مخصوص ہے:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. (آل عمران ۳: ۵۵)

''(اے عیسیٰ)، تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔''

کیا شرک بالتاویل آخرت میں بھی رعایت کا مستحق ہے؟

ایک ضمنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے شرک بالتاویل پر جو رعایت انھیں اس دنیا میں ملی، کیا ایسی ہی رعایت انھیں قیامت کبریٰ میں بھی ملے گی، کیونکہ ہم نے شروع میں یہ عرض کیا تھا کہ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ کا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نمونہ ہے اور دونوں میں عدل کے ضوابط یکساں ہیں۔ قرآن مجید کی روشنی میں اس سوال کا جواب ہم اثبات میں پاتے ہیں:

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ انسان پر اتمام حجت اس کی فطرت، انفس و آفاق کی گواہی اور اس کو میسر علم و عقل کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے، ایمان کے معاملے میں عقل و فہم کے استعمال کے بعد ضمیر کا اطمینان بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ضمیر کا یہ اطمینان عقل و فہم کے استعمال کے بعد کسی غلط نتیجے پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے انفرادی طور پر ہر ایک کے ایمان و عقیدے کا حساب قیامت میں خدا کے پورے علم کی روشنی میں ہوگا۔ مسیحیوں کے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ ان کو تثلیث کے شرکیہ عقیدے کی تعلیم ان کے مذہبی لٹریچر اور مسیح علیہ السلام سے منسوب روایات کے ذریعے سے دی گئی۔ اس لحاظ سے ان پر مزید حجابات قائم ہو گئے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ انھیں مزید رعایت ملنے کا امکان بتایا گیا ہے، اور یہ خدائے عادل کے عدل کے مطابق بھی ہے۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن وہ نبیوں سے ان کی امت کے ان افراد کے بارے میں سوال کرے گا جو رسول کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے پیروکار بنے۔ انبیا ان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ اس موقع پر تمام انبیا کا اجمالی جواب نقل ہوا ہے، لیکن مسیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مفصل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ اور اسی میں اس سوال کا جواب ہے۔ آیات ملاحظہ کیجیے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ. اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ

''اور یاد کرو، جب اللہ پوچھے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو۔ وہ عرض کرے گا: سبحان اللہ، یہ کس طرح روا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ہوتی، (اس لیے کہ) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور آپ کے دل کی باتیں میں نہیں جانتا۔ تمام چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والے تو آپ ہی ہیں۔ میں نے تو اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔ میں اُن پر نگران رہا، جب تک میں اُن کے درمیان تھا۔ پھر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ. لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِیۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

(۵:۱۱۶-۱۲۰)

جب آپ نے مجھے وفات دی تو اُس کے بعد آپ ہی اُن کے نگران رہے ہیں اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں۔ اب اگر آپ انھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ ہی زبردست ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی۔ اُن کے لیے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ زمین و آسمان اور اُن کے اندر تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس مکالمے میں عیسیٰ علیہ السلام اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، اپنی اور اپنی والدہ کی ذات کے بارے میں گھڑے جانے والے غلط عقائد پر ایمان لے آنے والوں اور اس کے نتیجے میں خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کی مغفرت کا نہ صرف امکان ظاہر فرما رہے ہیں، بلکہ سفارش بھی فرما رہے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سفارش کے جواب پر غور کیجیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے مشرکین کی سفارش کرنے سے منع نہیں فرمایا دیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد، آذر کے لیے دعاے مغفرت کرنے سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی:

وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِیۡمَ لِاَبِیۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ.

(التوبہ ۹:۱۱۴)

''ابراہیم نے تو اپنے باپ کے لیے صرف اُس وعدے کے سبب سے مغفرت مانگی تھی جو اُس نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ مگر جب اُس پر واضح ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اُس سے بے تعلق ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بردبار تھا۔''

آذر کے پاس اپنے کفر کا کوئی عذر نہیں بچا تھا، اس لیے اس کے حق میں ابراہیم علیہ السلام کی سفارش قبول نہ ہوئی۔ اس کے برعکس یہاں اللہ نے مسیح سے یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ تو مشرک ہیں ان کی مغفرت نہیں ہو سکتی، بلکہ فرمایا

کہ آج ان میں سے سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ وہ انعامات سے بھی نوازے جائیں گے۔ یعنی جو لوگ پوری دیانت داری سے، ضمیر کے اطمینان کے ساتھ شرک بالتاویل اختیار کیے رہے، نیز سچائی جاننے کے ذرائع، یعنی کتب الٰہیہ سے بھی انھیں بجاے رہنمائی کے اسی شرک کی تعلیم دی گئی، اور وہ تاویلات کی بھول بھلیوں میں اس شرکیہ عقیدہ کو تسلیم کر بیٹھے اور دیانت داری سے ایک خدا کو اس کے مختلف مزعومہ مظاہر میں پوجتے رہے، ان کو نہ صرف مغفرت ملے گی، بلکہ انعامات سے بھی نوازے جائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام اور خدا کے درمیان زیر معاملہ لوگوں کے اس مجموعہ میں، البتہ، ایسے افراد کے شامل ہونے کا بھی پورا امکان موجود ہے جن پر ان عقائد کی غلطی واضح ہوگئی ہوگی، لیکن وہ اپنے ضمیر کے خلاف، روایتی عقیدے کو اختیار کیے رہے، ایسے لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہوں گے، لیکن چونکہ ان کا درست علم خدا کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوسکتا، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے اجمالی سفارش کر کے سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا، چنانچہ اللہ نے ان تمام مسیحیوں میں سے بخشش اور انعامات کا مستحق صرف انھیں قرار دیا جو دیانت داری سے تاویل کی غلطی کی وجہ سے اس غلط عقیدے پر قائم رہے، لیکن وہ کوئی ارادی کافر نہ تھے، جنھوں نے حقیقت جان لینے کے بعد جان بوجھ کر انکار کر دیا ہو۔ درحقیقت، حقیقت کا جان بوجھ کر انکار ہی وہ کفر ہے جو عذاب کا مستحق بناتا ہے، یہ کفر خواہ فطرت کی گواہی کا انکار ہو یا انبیا کی دعوت سے روگردانی اختیار کی گئی ہو، ہر صورت میں عذاب کا مستحق ہے۔ قرآن مجید کا عمومی قانون یہی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کی تمام وعیدیں حقیقت کا جان بوجھ کر انکار کرنے پر بتائی گئی ہیں۔ درج ذیل آیت میں بھی یہ بیان موجود ہے کہ اہل تثلیث میں سے وہی لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے جنھوں نے حقیقت جان کر بھی انکار کیا نہ کہ سب مسیحی:

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ. (مریم ۱۹: ۳۷)

''مگر اُس (مسیح) کے ماننے والوں کے اندر سے مختلف فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ سو (اب) اُن کے لیے جنھوں نے (ان حقائق کا) انکار کر دیا ہے، ایک ہول ناک دن کی حاضری کے باعث خرابی ہے۔''

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ خدا کے قوانین عدل کے مطابق ہے۔ یہ معاملہ محولہ بالا آیت میں مذکور مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، جو مسیح اور ان کی والدہ کو خدا بنا بیٹھے تھے۔ ایسی صورت حال جہاں بھی پائے جائے گی یہی اصول لاگو ہوگا۔

اسی تناظر میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا دیکھیے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(ابراہیم ۱۴: ۳۵-۳۶)

''انھیں وہ واقعہ سناؤ، جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ میرے پروردگار، اِس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اِس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔ پروردگار، اِن بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ (یہ میری اولاد کو بھی گمراہ کر سکتے ہیں)، اِس لیے جو (اُن میں سے) میری پیروی کرے، وہ میرا ہے اور جس نے میری بات نہیں مانی، (اُس کا معاملہ تیرے حوالے ہے)، پھر تو بخشنے والا ہے، تیری شفقت ابدی ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا مسیح علیہ السلام کی دعا کے مثل ہے۔ اس آیت میں گمراہ ہو جانے والوں سے مراد مشرک ہو جانا ہے۔ اس پر مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ بیانِ مدعا کے لیے کفایت کرتے ہیں:

''یہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں سے اعلانِ براءت ہے جو ان کے طریقہ سے ہٹ کر شرک و بت پرستی میں مبتلا ہوں۔ فرمایا کہ جو اس معاملہ میں میری پیروی کریں وہ تو بے شک مجھ سے اور میرے زمرے میں سے ہیں اور جو میری راہ سے ہٹ کر شرک میں مبتلا ہوں ان کا معاملہ تیرے حوالہ ہے، تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جس کا تو ان کو مستحق پائے گا۔ تو غفور رحیم ہے، تجھ سے کسی ناانصافی کا اندیشہ نہیں۔ جو رحمت کے سزاوار ہوں گے وہ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۳۳۳)

بنی اسرائیل کی تا قیامت محکومی کی سزا

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. (آل عمران ۳: ۵۵)

''اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور (تیرے) اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔‘‘

چند اشکالات

مذکورہ بالا آیت کی رو سے یہود کی تا قیامت محکومی کی سزا پر یہ اشکالات پیش کیے جاتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ یہ معاملہ کس ضابطے کے تحت کیا گیا ہے؟ مسیح علیہ السلام کے وقت میں ان کا انکار کرنے والوں کی سزا تا قیامت آنے والی بنی اسرائیل کی نسلوں کو کیوں دی گئی؟ یہاں مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے کون مراد ہیں جو یہود پر تا قیامت حاکم رہیں گے؟ مسیح علیہ السلام کے براہ راست پیروکاروں کو تو اپنے دشمن یہود پر غلبہ نہیں ملا تھا اور بعد والے مسیحی، مسیح علیہ السلام کی تعلیمات گم کر چکے تھے، تثلیث اور دیگر بدعات کا شکار ہو گئے تھے اور وہ مسیح علیہ السلام کے متبعین کہلانے کے مستحق نہیں، مسلمان بھی یہاں مراد لینا مشکل ہے، کیونکہ یہود مسلمانوں کے تحت مسلسل محکوم بھی نہیں رہے، تو اس آیت میں متبعین مسیح سے کون لوگ مراد ہیں جو یہود پر تا قیامت مسلسل مسلط رہیں گے؟

ان اشکالات کے جواب میں عرض ہے کہ یہود کی یہ ذلت انبیا کے انکار و قتل کے بعد ان پر مسلط کرنا خدا کا قانون تھا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی عمومی قانون کا یہ ایک خصوصی اظہار ہے۔ رہا یہ سوال کے یہ جرم یہود کی بعد کی نسلوں نے نہیں کیا، پھر ان کو سزا کیوں مل رہی ہے تو بات یوں ہے کہ یہود کی بعد کی نسلوں پر بھی ان کے مذہبی لٹریچر اور ان کی مسلّمہ مذہبی تاریخ کی وجہ سے مسلسل اتمام حجت ہوتا آ رہا ہے۔ بائیبل کے عہد قدیم میں درج مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئیوں، خود انجیل کی مسلسل موجودگی، انجیل میں ہونے والی تحریف کے باوجود مسیح علیہ السلام اور ان کے بنیادی پیغام کا ہمیشہ ویسا ہی واضح اور قطعی رہنا جیسے مسیح علیہ السلام نے اپنے اولین مخاطبین کو بتایا تھا، نیز ان کی تاریخ میں بھی مسیح علیہ السلام کے اتمام حجت کی سرگذشت کے بعد ان کی ہر نسل پر مسلسل اتمام حجت ہوا ہے۔ یہ سب ان کے لیے خاندانی روایات کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے، اس کا انکار بدیہات کا انکار ہے، جس کی سزا حسب وعدۂ الٰہی ذلت و محکومی کی صورت میں انھیں ملتی رہے گی۔ اس کو ایک اور زاویہ سے یوں سمجھیں کہ جس طرح نزول قرآن کے وقت کے یہود کو ان کے آبا و اجداد کے جرائم کا وارث سمجھا گیا اور ان سے ایسے ہی خطاب کیا گیا جیسے کہ یہ جرائم خود ان سے سرزد ہوئے ہوں، کیونکہ وہ اپنے آبا کے ان جرائم سے براءت نہیں کرتے تھے اور ان کی روش پر قائم تھے، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور ان کے ساتھ قتال پر مصر تھے، اس لیے انھیں بھی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان کے آبا کے جرائم میں شریک مانا گیا۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کے بعد کے یہود بھی اپنے آبا کے جرائم میں اس وقت تک شریک سمجھے جائیں گے جب تک اس روش سے توبہ کر کے حقائق کو تسلیم کر کے اپنا عمل درست نہیں کر لیتے۔

مسیح کی اتباع کرنے والوں سے کون مراد ہیں؟

پہلی بات یہ ہے کہ یہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے براہ راست اتباع کرنے والوں کے لیے تو منحصر نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں ان کے تا قیامت غلبے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ تا قیامت تو انھوں نے زندہ نہیں رہنا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیح علیہ السلام کے براہ راست شاگرد بھی اس آیت کا مصداق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ الفاظ کو دیکھا جائے تو 'الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ' میں مخلص مومنینِ مسیح اور وہ تمام لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو خود کو مسیح علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں عام مسیحی مراد ہیں۔ اس کا تعین ایک تو داخلی قرائن سے طے ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہل کتاب کہہ کر اگر مخلص مومنین اور دین ابراہیمی سے منحرف ہو جانے والے سب اہل کتاب کو مراد لیا جا سکتا ہے تو 'اِتَّبَعُوْكَ' کہہ کر مخلص مومنین کے علاوہ عام مسیحیوں کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے، یعنی الفاظ میں اس کی پوری گنجایش موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں 'اِتَّبَعُوْكَ' کو 'الَّذِیْنَ كَفَرُوْا' کے مقابل رکھا گیا ہے نہ کہ مخلص مومنین اور گمراہ مسیحیوں کا تقابل پیش نظر ہے۔ پھر خارجی قرینے کے مطابق تاریخی حقیقت بھی یہی چلی آ رہی ہے کہ عام مسیحی ہی یہود پر غالب چلے آ رہے ہیں، اس میں کوئی استثنا بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسی وجہ سے مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے مراد صرف مخلص مومنین نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ متبعین مسیح سے مراد صرف مسلمان بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہود، مسلمانوں کے محکوم بھی مسلسل نہیں رہے۔ (ملخص مع اضافہ تدبر قرآن، زیر بحث سورۂ آل عمران آیت ۵۵)

دوسری بات یہ ہے کہ اتباع کے مفہوم میں سوچ سمجھ کر اور بلا سوچے سمجھے پیروی کرنا دونوں شامل ہیں۔ اچھے اور برے، دونوں طرح کی اتباع کو اتباع ہی کہا جاتا ہے۔ درج ذیل آیت میں دیکھیے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام اتباع کرنے والوں کو مسیح کا متبع ہی کہا گیا ہے، چاہے وہ درست مذہب پر تھے یا دین و عقائد میں بدعات کا شکار ہو گئے تھے یا اخلاقی طور پر فسق کے مرتکب تھے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ	''پھر اُنھی کے نقش قدم پر ہم نے اپنے اور رسول بھی بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو بھی اُنھی کے نقش قدم پر بھیجا اور اُسے انجیل عطا کی اور اُس کے پیروؤں کے دلوں

ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ.

(الحدید ۵۷: ۲۷)

میں رأفت و رحمت ڈال دی، مگر رہبانیت اُنھوں نے خود ایجاد کر لی۔ ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا۔ یہ بات، البتہ ضرور فرض کی تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی چاہیں۔ سو اُنھوں نے اُس کے حدود، جس طرح کہ چاہیے تھا، ملحوظ نہیں رکھے۔ تاہم اُن میں سے جو لوگ ایمان پر قائم رہے، اُن کا اجر ہم نے اُنھیں عطا فرمایا، مگر اُن میں سے زیادہ نافرمان ہی نکلے۔''

چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ میں مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے مراد مسیح کے بعد کے دور کے ان کے نام لیوا، جو ان کے درست دین پر قائم نہ رہ سکے، لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ یہ عام مسیحی ہی ہیں جو تاریخی حقیقت کے طور پر بھی یہود پر سیاسی طور پر غالب چلے آ رہے ہیں اور اس طرح خدا کی ایک زندہ پیشین گوئی کے طور پر یہ مظہر دنیا کے سامنے موجود ہے۔

اب اشکال یہ ہے کہ ان عام مسیحیوں کا غلبہ تو یہود پر بہت دیر میں ہوا، یعنی تین سو سال کے بعد جب رومی شہنشاہوں نے مسیحیت قبول کر لی تھی۔

اس پر عرض ہے کہ خدا کے ان دنیوی عذابوں، یعنی قیامت صغریٰ کا وقت کب شروع ہوتا ہے یہ علم اور اندازہ اس نے ہم سے اسی طرح پوشیدہ رکھا ہے جیسے قیامت کبریٰ کا علم و اندازہ۔ مختلف قوموں پر آنے والے عذابوں کی مہلت میں بہت فرق ہے۔ کہیں صرف تین دن کی مہلت دی گئی، تو کہیں یہ مہلت برسوں کو محیط ہو گئی اور کہیں یہ صدیوں کے عرصے میں سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے مستحقِ عذاب ہو جانے کے بعد مہلت میں فرق کیوں رکھتا ہے تو یہ اس کے محیط علم کی بات ہے، جن عوامل اور حالات کو مدنظر رکھ کر وہ فیصلہ کرتا ہے، انسانی عقل کے لیے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔

ایک اعتراض

یہاں ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل کے معاملے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تمام مراحل، یعنی انذار، انذار عام، اتمام حجت، ہجرت و براءت، اور جزا و سزا سے نہیں گزری تو عذاب وہی کیوں دیا گیا جو اتمام حجت کے ان تمام مراحل کے گزر جانے کے بعد آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتمام حجت ایک بار اپنے تمام مراحل سے گزر کر ایک سرگذشت کی شکل میں مکمل ہو کر خدا کی کتاب میں محفوظ ہو جائے تو اس سرگذشت کا سنانا ہی انذار کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیے کافی ہوتا ہے۔ تمام مراحل کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی جیسے صحابہ نے جب روم و ایران پر حملہ کیا تو تفصیلی دعوت نہیں دی، انھوں نے یہ کافی سمجھا کہ عرب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ملنے والی مسلسل خبروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام قبول کرنے کے لیے باقاعدہ دعوتی خطوط ملنے اور اہل کتاب کی اپنی کتب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیوں کی وجہ سے اتمام حجت ہو چکا۔ چنانچہ انھوں نے روم و ایران پر بھی وہی محکومی اور جزیہ کی وہی سزا نافذ کر دی جو اہل کتاب کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

بنی اسرائیل کے معاملے میں اتمام حجت ان پر ان کے انبیا کی طرف سے مسلسل ہوتا رہا۔ مسیح علیہ السلام کی رسالت ان کے لیے عاد و ثمود کی بے خبر اقوام کی طرح کوئی اجنبی چیز نہیں تھی کہ دعوت دین کے تمام مراحل پورے کیے جاتے۔ بنی اسرائیل دین کے بنیادی تصورات سے واقف تھے۔ مسیح علیہ السلام تو ان کی اخلاقی تربیت کرنے آئے تھے، جسے قبول نہ کرنے پر انھیں تا قیامت محکومی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ سزا بنی اسرائیل کے لیے اسی ضابطے کے تحت دی گئی ہے جو ان کی خصوصی حیثیت کی وجہ سے تھا، جس کا مفصل ذکر اس مضمون میں پہلے ہو چکا ہے کہ پیغمبروں کے انکار اور نافرمانی پر انھیں ذلت کی سزا ملے گی۔ خدا کے علم کے مطابق یہ معاملہ قیامت تک چلے گا۔ اگرچہ بنی اسرائیل کے لیے مسیح علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت آج بھی موجود ہے اور آج بھی وہ اگر ایمان لے آتے ہیں تو اس محکومی سے نکل سکتے ہیں، لیکن علم خداوندی میں ہے کہ ایسا ہوگا نہیں اور وہ مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے تحت تا قیامت محکوم ہی رہیں گے۔ یہود کی مسیحیوں کے ماتحت محکومی ایک زندہ تاریخی حقیقت کے طور پر، قرآن کی سچائی کے ایک زندہ ثبوت کی حیثیت سے، ہر دور کے انسانوں کے سامنے موجود رہے گی۔

ایک اشکال

قانون اتمام حجت کے مطابق مسیح علیہ السلام کے براہ راست منکرین پر اسی دنیا میں ذلت و محکومی کا عذاب آنا ضروری تھا، لیکن یہ عذاب ۷۰ عیسوی میں آیا، جب کہ مسیح علیہ السلام مشہور روایت کے مطابق ۳۰ سے ۳۵ عیسوی کے درمیان اٹھا لیے گئے تھے۔ یعنی مسیح علیہ السلام کے رخصت ہونے کے ۳۵ سے ۴۰ سال کے بعد ان کے براہ راست منکرین پر ذلت و محکومی کا عذاب آیا۔ تو گویا وہ منکرین ۳۵ یا ۴۰ سال امن میں رہے اور جب عذاب آیا تو ان میں سے بیش تر شاید زندہ ہی نہیں تھے۔

اس پر عرض ہے کہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کے رخصت ہو جانے کے فوراً

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بعد ہی یہودیوں اور رومیوں میں بگڑ گئی۔ چنانچہ رومیوں نے یہودیوں کو مسلسل ذلت ومحرومی کے عذاب سے دوچار کیے رکھا، وہ مسلسل ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے، اسی سلوک سے تنگ آ کر انھوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کر ڈالی تھی جس کا حتمی نتیجہ ۷۰ عیسوی میں طیطاؤس (Titus) کے حملے کی صورت میں نکلا۔

تاریخ میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے سے پہلے تک، یعنی رومی گورنر، پیلاطوس (Pontius Pilate)، جس نے مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کی منظوری دی تھی، کے دور تک رومیوں کے ساتھ یہود کے تعلقات قابل قبول حد تک ٹھیک چل رہے تھے، لیکن مسیح علیہ السلام کے خلاف اقدام قتل کے بعد سے حالات خراب ہوتے چلے گئے، خون خرابہ شروع ہو گیا، رومیوں نے یہود پر بھاری ٹیکس عائد کر دیے، یروشلم میں فوج تعینات کر دی گئی، شہنشاہ کیلیگولا (Caligula) جس نے ۳۷ تا ۴۱ عیسوی تک حکومت کی، کے دور میں حالات یہاں تک پہنچے کہ شہنشاہ نے بیت المقدس میں اپنا مجسمہ رکھوا کر یہود کو اس کی پوجا کا حکم دیا۔

تاہم ۴۱ سے ۴۴ عیسوی کے تین سالوں میں جب رومیوں کی طرف سے اگریپا اوّل (Agrippa) یہود کا بادشاہ مقرر ہوا تو اس نے حالات میں بہتری لائی۔ یہ بھی خدائی ضابطہ ہے کہ عذاب کے بعد مہلت کا عرصہ بھی آتا ہے۔ اگریپا اوّل کی موت کے بعد یہود کے رومیوں سے تعلقات پھر خراب ہو گئے، دونوں کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں، یہودیہ (Judea) کی سلطنت کی معاشی حالت ابتر ہو گئی، انارکی پھیل گئی، بغاوتیں پھوٹ پڑیں[1]، ادھر ان کی آپس کی فرقہ واریت بھی عروج پر تھی۔ یہی حالات چلتے رہے، یہاں تک کہ ۶۶ عیسوی میں گورنر جیسئس فلورس (Gessius Florus) نے ٹیکس اکٹھا کرنے کے نام پر بیت القدس کی آمدنی پر ہاتھ ڈالا، یہ چیز یہودیوں سے برداشت نہ ہوئی اور انھوں نے رومی گورنر پر حملہ کر دیا، اس کے جواب میں ۶۷ عیسوی میں رومی گورنر ویسپاسیئن (Vespasian)، جو بعد میں روم کا شہنشاہ بنا، ان پر حملہ آور ہوا اور نہایت بے دردی سے یہ بغاوت فرو کی[2]۔ پھر وہ واپس چلا گیا، لیکن بغاوت کی آگ بھڑکتی رہی، جس کو حتمی طور پر ختم کرنے کے لیے اس نے اپنے بیٹے طیطاؤس کو بھیجا جس نے حملہ کر کے نہ صرف یہود کا قتل عام کیا اور انھیں لونڈی اور غلام بنایا، بلکہ بیت المقدس کو بھی تباہ کر دیا، جس نے یہود کی کمر توڑ کر رکھ دی، یہ ان کے لیے ان کی تاریخ کا بدترین سانحہ تھا، جس کو یہود نے کبھی نہیں بھلایا۔ روم کے ساتھ ان کے معاملات بعد میں خراب چلتے رہے۔

---

[1] http://cojs.org/judea_under_the_procurators/۔

[2] http://cojs.org/biblical_history-_the_roman_period-_steven_feldman-_cojs-_2007/۔

غرض یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے بعد کا سارا دور، سوائے اگر یپا اوّل کے ۳ سالہ دور کے، یہود کے لیے مسلسل اذیت، انارکی، ذلت اور محکومی کا دور تھا، جس کا فیصلہ کن مرحلہ ۷۰ عیسوی میں طیطاؤس کے حملے کی صورت میں نکلا۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ وہ ۷۰ عیسوی سے پہلے سکون میں رہ رہے تھے، درست نہیں۔ یہود کے ساتھ یہ معاملہ اللہ کی اس سنت کے بالکل مطابق ہوا ہے جس کی رو سے حتمی دنیوی عذاب سے پہلے تنبیہی عذاب آتے ہیں۔ نیز ۳۵ یا ۴۰ سال کا عرصہ اتنا بھی طویل نہیں کہ ایک نسل ہی گزر جائے۔ یقیناً مسیح علیہ السلام کے براہ راست منکرین میں سے بیش تر حتمی عذاب سہنے کے لیے بھی زندہ تھے۔

ایک اشکال

ایک اشکال یہ پیش کیا گیا کہ ہر رسول اپنی امت پر عذاب کے وقت موجود ہوتا ہے، لیکن مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل پر ان کے انکار کے نتیجے میں آنے والے عذاب سے پہلے رخصت کیوں ہو گئے؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس پر عرض ہے کہ یہ تو درست ہے کہ قرآن مجید میں جن رسولوں کا ذکر ہے، وہ اپنی قوم پر عذاب کے وقت موجود تھے، لیکن عذاب کے وقت ان کی موجودگی اتمام حجت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ یہ ضابطہ تب بنتا جب یہ بیان میں آتا، اس پر کوئی نص ہوتی، لیکن اس پر کوئی نص نہیں ہے۔ رسول کا کام ابلاغ دین اور اتمام حجت ہے، عذاب کے وقت اس کی موجودگی امر واقعہ تو ہے، لیکن اس کا کارِ رسالت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ رسول تو عذاب سے پہلے ہی اپنی بستی سے چلا جاتا ہے اور عذاب کا کچھ حصہ ہی دیکھ پاتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اس عذاب سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جائے:

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ. رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ.

(المومنون ۲۳: ۹۳-۹۵)

''تم دعا کرو، (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار، اگر تو مجھے وہ عذاب دکھائے جس سے اِنھیں ڈرایا جا رہا ہے۔ تو پروردگار، مجھے اِن ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب سے ہم اِن کو ڈرا رہے ہیں، وہ (تمھاری آنکھوں کے سامنے لے آئیں اور) تمھیں دکھا دیں۔''

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

''ہم جو وعید اِنھیں سنا رہے ہیں، اُس کا کچھ حصہ ہم

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ.
(الرعد۱۳: ۴۰)

تمھیں دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے (اور اِس کے بعد اِن سے نمٹیں گے)۔ سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ. اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ.
(الزخرف۴۳: ۴۱-۴۲)

''اب تو یہی ہوگا کہ یا ہم تمھیں اٹھا لیں گے، پھر اِن سے ضرور بدلہ لیں گے۔ یا جس (عذاب) کا وعدہ ہم نے اِن سے کیا ہے، وہ (تمھارے اِس دنیا میں ہوتے ہوئے) تم کو لا دکھائیں گے، اِس لیے کہ ہم اِن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔''

اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم بنی اسرائیل پر سیاسی غلبہ ہونا یا بنی اسرائیل پر ان کے انکار کے نتیجے میں آنے والے عذاب محکومی کے وقت ان کا موجود ہونا بھی قانون اتمام حجت کی رو سے ضروری نہ تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دنیوی عذاب آنے کی مہلت میں فرق

ایک اشکال یہ ہے کہ رسولوں کی قوموں کو اتمام حجت کے بعد عذاب آنے سے پہلے دی جانے والی مہلت کی مدتوں میں فرق کیوں ہے۔ خصوصاً، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ان کے منکرین پر دنیوی عذاب نازل ہونے میں ملنے والی نسبتاً طویل مہلت محل اشکال ہے۔

مہلت کے اس فرق کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح انبیا کی تبلیغ و دعوت دین اور اتمام حجت کی مدت میں فرق ہے، اسی طرح اتمامِ حجت کے بعد مختلف رسولوں کی منکر اقوام پر عذاب آنے کی مہلت میں بھی فرق ہے۔ اس مہلت کے دوران تنبیہی عذاب آتے ہیں اور اس میں مزید کچھ لوگ ایمان بھی لے آتے ہیں، جیسے یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا کہ پوری قوم مہلت کے عرصہ میں ایمان لے آئی۔ اس مہلت کا دورانیہ ہر قوم کے اپنے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوا ہے اور ان حالات کا کامل علم خدا کے پاس ہے۔

نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال تبلیغ کی، عیسیٰ علیہ السلام نے چند سال اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۱۳ سال میں مکہ والوں پر حجت تمام کر دی، جب کہ باقی کے ۱۱ سال مدینہ کے اردگرد یہود، اور عرب علاقوں کے نصاریٰ اور دیگر عرب قبائل پر اتمام حجت فرمایا۔ کسی بھی رسول کے اتمام حجت کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی۔ بے شمار سماجی، ابلاغی، نفسیاتی مسائل اور عوامل کی وجہ سے یہ ممکن بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی ایک مدت مقرر کی جاتی۔

اسی طرح اتمام حجت کے نتیجے میں قوم کے مستحق عذاب ہو جانے کے بعد دنیوی عذاب آنے سے پہلے کی مہلت کی مدت بھی مقرر نہیں کی جا سکتی تھی۔ جہاں قوم نوح اور قوم لوط پر ان کے رسولوں کی ہجرت کے فوراً بعد عذاب اتر آیا، وہاں عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کی ہجرت کے ۳۵ یا ۴۰ سال کے بعد ۷۰ عیسوی میں بنی اسرائیل پر رومیوں کے ہاتھوں جلاوطنی اور محکومی کا حتمی عذابِ موعود نازل ہوا، جب کہ صالح علیہ السلام کی قوم کو تین دن کا الٹی میٹم دے کر عذاب نازل کر دیا گیا۔

اس دنیوی عذاب آنے کے دو لازمی شرائط ہیں: ایک یہ کہ رسول اور مومنین کفار سے علیحدہ ہو چکے ہوں جیسا کہ قیامت میں جنت اور جہنم کے فیصلے سے پہلے مومنین کو کفار سے علیحدہ کر دیا جائے گا:

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (الانفال ۸:۳۷)

''اس لیے کہ (اپنی جنت کے لیے) اللہ پاک سے ناپاک کو الگ کرے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر سب کا ڈھیر بنائے، پھر اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بالکل یہی اصول دنیوی عذاب میں بھی اپنایا گیا۔ اسی وجہ سے دنیوی عذاب نازل ہونے سے پہلے رسول اور اس کے ساتھیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی بستی سے نکل جائیں۔

دوسرا یہ کہ کفار میں کوئی ایسا نہ رہے جس کے ایمان لانے کی امید باقی ہو۔ یہ اصول نوح اور لوط علیہم السلام کے معاملے میں دیکھیے:

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. (ہود ۱۱:۳۶)

''(پھر) نوح کو وحی کی گئی کہ تمھاری قوم کے لوگوں میں سے جو ایمان لا چکے، اب اُن کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ سو ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑو۔''

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ. (العنکبوت ۲۹:۳۲)

''ابراہیم نے کہا: اُس میں تو لوط بھی ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اُس میں جو لوگ بھی ہیں، اُنھیں ہم خوب جانتے ہیں۔ (آپ مطمئن رہیے)، ہم لوط کو اور اُس کے سب گھر والوں کو ضرور بچا لیں گے، اُس کی بیوی کے سوا۔ وہ (البتہ) پیچھے رہ جانے والوں میں

سے ہوگی۔‘‘

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر عذاب آنے کے معاملے میں یہ ہوا کہ بہت سے مومنین ہجرت کرنے سے عاجز کر دیے گئے۔ مومنین اور کفار کی مکمل علیحدگی نہیں ہو پائی تھی، دوسرا یہ کہ ایسے لوگ ابھی موجود تھے جن کے ایمان لانے کی امید تھی۔ درج ذیل آیت دیکھیے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال ۸:۳۳)

’’اللہ (اُس وقت تو) اِن کو عذاب دینے والا نہیں تھا، جب کہ تم اِن کے درمیان موجود تھے اور نہ (اُس وقت) عذاب دینے والا ہو سکتا ہے، جب کہ یہ مغفرت چاہ رہے ہوں۔‘‘

اس آیت کی وضاحت میں جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

’’قریش کے لیڈروں کی طرف سے پیہم مطالبۂ عذاب کے باوجود اللہ نے اُنھیں ڈھیل کیوں دی؟ یہ اِس سوال کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ عذاب کے معاملے میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک اصلاح کی دعوت قبول کر کے خدا سے مغفرت چاہنے والے قوم کے اندر سے نکلتے رہتے ہیں اور جب تک پیغمبر اُن کے درمیان موجود ہوتا ہے، اُنھیں چھوڑ کر نکل نہیں جاتا، اللہ اتمام حجت کے باوجود اُن پر وہ فیصلہ کن عذاب نازل نہیں کرتا جو رسولوں کی قوموں پر نازل کیا جاتا ہے اور جس کا مطالبہ قریش کر رہے تھے۔ اِس میں، اگر غور کیجیے تو یہ دعوت بھی ہے کہ یہ لوگ اگر اب بھی اپنی روش بدلنے کے لیے تیار ہو جائیں اور خدا سے معافی مانگ لیں تو اِس عذاب سے بچ سکتے ہیں۔‘‘

(البیان ۲/۲۸۷)

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الممتحنہ ۶۰:۷)

’’(تم ایمان پر قائم رہے تو) بعید نہیں کہ اللہ تمھارے اور اُن لوگوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے، جن سے (آج) تم نے عداوت مول لی ہے۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔‘‘

ظاہر ہے یہ دوستی ان دشمنان اسلام کے ایمان لانے کے بعد ہی ممکن تھی۔ اس لیے ان کفار میں سے بہت سے لوگوں کے ایمان لانے کی امید ابھی باقی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر متوقع جنگ بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں ہونے دی تھی، کیونکہ مکہ میں ابھی مجبور مومنین، جن میں سے کچھ اپنے اعلانِ اسلام کے بعد کفار کے ہاتھوں سختیاں جھیل رہے تھے، اور کچھ ابھی تک اپنے ایمان کا اظہار نہیں

کر پائے تھے، موجود تھے۔ اس لیے اس موقع پر جنگ کی صورت میں ان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ سورۃ الفتح میں اللہ نے فرمایا:

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا. (۴۸:۲۵)

''یہ وہی ہیں جنھوں نے (خدا کے پیغمبر کا) انکار کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی روک دیا کہ وہیں کھڑے رہ جائیں اور اپنی جگہ پر نہ پہنچنے پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر (مکہ میں اُس وقت) ایسے مومن مرد اور ایسی مومنہ عورتیں نہ ہوتیں جنھیں تم نہیں جانتے تھے کہ (حملہ کرتے تو) روند ڈالتے، پھر اِن کے باعث تم پر بے خبری میں الزام آ جاتا (تو ہم جنگ کی اجازت دے دیتے، لیکن ہم نے اِس لیے اجازت نہیں دی) کہ اللہ جس کو چاہے، (ایمان کی توفیق دے اور) اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ (یہ حقیقت ہے کہ) اگر وہ لوگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم اُن کے منکرین کو دردناک عذاب سے دوچار کر دیتے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان ہجرت نہ کرنے والوں میں کچھ تو مجبور تھے، جیسے حضرت ابو جندل وغیرہ، جب کہ کچھ کمزور ایمان والے بھی تھے، جو اپنی مقامی اور خاندانی وابستگیاں ترک کر کے ہجرت پر آمادہ نہ ہو سکے تھے۔ تاہم عذاب میں تاخیر مجبور اور معذور لوگوں کی وجہ سے ہوئی نہ کہ بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں کی وجہ سے۔ بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں کو بھی خدا کی طرف سے عذاب کا ہی سامنا کرنا پڑا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (النساء۴:۹۷)

''(اس موقع پر بھی جو لوگ اُن بستیوں سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جہاں اُنھیں دین کے لیے ستایا جا رہا ہے، اُنھیں بتاؤ، اے پیغمبر کہ) جن لوگوں کی جان فرشتے اِس حال میں قبض کریں گے کہ (اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال کر) وہ اپنی جان پر ظلم کر رہے تھے، اُن سے وہ پوچھیں گے کہ یہ تم کس حال میں پڑے رہے؟

وہ جواب دیں گے کہ ہم تو اِس ملک میں بالکل بے بس
تھے۔ فرشتے کہیں گے: کیا خدا کی زمین ایسی وسیع نہ تھی
کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے۔ سو یہی لوگ ہیں جن
کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔''

البتہ ان کفار میں سے جن پر اتمامِ حجت ہو چکا تھا، ان کے لیے مہلت کا وقت ختم ہو چکا تھا، ان پر عذاب عام سے پہلے ہی عذاب آ کر رہا۔ مثلاً ایسے کفار میں سے جو خود آگے بڑھ کر بدر کے میدان میں جنگ کرنے اٹھ آئے تھے، ان میں زیادہ تر وہی سرداران مارے گئے تھے جن کی مہلت اختتام پذیر ہو چکی تھی۔

ہم جانتے ہیں کہ رسول اپنی دعوت کی ابتدا اپنی قوم کے سرداروں سے ہی کرتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب ''دعوت دین اور اُس کا طریق کار'' میں لکھتے ہیں:

''...حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے خود اپنے اُس خاندان کو دعوت دی جو قوم کی مذہبی پیشوائی کی مسند پر متمکن تھا۔ پھر اُس بادشاہ کو دعوت دی جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ تھی اور جو اپنے آپ کو لوگوں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھے ہوئے بیٹھا تھا... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے فرعون کو مخاطب کریں... حضرت مسیح علیہ السلام نے سب سے پہلے علماے یہود کو دعوت دی۔ اِسی طرح حضرات نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، سب کی دعوتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اِن میں سے ہر نبی نے سب سے پہلے اپنے وقت کے ارباب اقتدار اور متکبرین کو جھنجھوڑا اور اُن کے افکار و نظریات پر ضرب لگائی۔ سب سے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ یہ لوگ عرب کی مذہبی اور پدرسرانہ (patriarchical) حکومت کے ارباب حل وعقد تھے اور اِس کے واسطہ سے سارے عرب کی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کر رہے تھے۔'' (۴۶-۴۷)

ایک وقت تک ان سرداران کو سمجھانے اور ان کی طرف سے مایوسی کے بعد رسول کو دعوت عام کا حکم ملتا ہے۔ اس لیے سرداروں پر اتمامِ حجت بھی دوسروں سے پہلے ہو جاتا ہے اور ان کی مہلت بھی دوسروں سے پہلے ختم ہو سکتی ہے۔ اسی لیے دیکھا جائے تو جنگ بدر میں مارے جانے والے ۷۰ کفار میں تقریباً تمام ہی سردارانِ قریش تھے۔ اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن سرداران قریش پر اتمامِ حجت کے بعد مہلت ختم ہو گئی تھی اور وہ جنگ بدر میں بھی نہیں آئے تھے، وہ بھی آخری اجتماعی عذاب، جو صحابہ کی تلواروں سے آیا، سے پہلے ہی انفرادی عذاب کا شکار ہو کر مرے۔ مثلاً ابولہب جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود اللہ کے دنیوی عذاب کا شکار ہو کر رہا۔ اسے عدسہ

کی بیماری لاحق ہوئی۔ لوگ بدبو کی وجہ سے اس کے پاس نہ آتے تھے۔ سخت اذیت اور بے بسی کے ساتھ وہ مرا۔ پھر اس کی لاش کی بدبو کی وجہ سے کوئی اسے اٹھاتا نہ تھا۔ آخر شرم دلانے پر اس کے بیٹوں نے اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر اس کو گھسیٹ کر ایک جگہ پھینکا اور اوپر پتھر ڈال دیے۔ یہی حال مکہ کے چند دیگر سرداران: عاص بن وائل، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور حارث بن قیس کا ہوا۔

عام لوگ جو ان سرداروں کے کہنے پر جنگ بدر میں چلے آئے تھے اور ان پر ابھی اتمام حجت نہیں ہوا تھا، یا اتمام حجت ہو تو گیا تھا، لیکن ان کے ایمان لانے کا امکان تھا، اس لیے وہ مہلت کے عرصے میں تھے، وہ اس جنگ میں نہیں مارے گئے۔ تاہم، ان میں سے بھی اگر کوئی مارا گیا ہو تو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ عصبیت کی جنگ لڑتا ہوا اپنی جارحیت کے نتیجے میں مارا گیا۔ وہ اگر اس جارحیت کا ارتکاب نہ کرتا تو مزید مہلت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اتمام حجت کا یہ مطلب نہیں کہ موعود عذاب سے پہلے کوئی جارحیت کرے تب بھی مارا نہ جائے یا اسے طبعی موت نہ آئے گی۔ ایسے مارے جانے یا مر جانے والے افراد کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

جنگ بدر میں کفر کے سرداروں کی پیروی میں آنے والے یہ لوگ، جن پر اتمام حجت نہیں ہوا تھا، یا اتمام حجت ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد وہ مہلت کے عرصے میں تھے، ان میں سے اکثر واپس جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، جب کہ ۷۰ افراد قیدی بنا لیے گئے اور وہ بھی بعد میں چھوڑ دیے گئے۔ یعنی ابھی ان پر حتمی عذاب کا وقت نہیں آیا تھا۔ اب ان میں جو زخمی ہوئے، جن کو ہزیمت کا مزہ چکھنا پڑا اور جو قید ہوئے، تو ان کے لیے یہ دنیوی عذاب کی چھوٹی قسمیں تھیں، جو تنبیہ کے لیے آتے ہیں اور حتمی دنیوی عذاب سے پہلے دیے جاتے ہیں، تاکہ ان لوگوں میں جو متنبہ ہو کر ایمان لانے والے ہیں، وہ ایمان لے آئیں۔

جنگ بدر میں قید ہونے والوں کے لیے ابھی مہلت ختم نہیں ہوئی تھی، اسی لیے ان سے کہا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمھارا طرز عمل دیکھیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کئی بعد میں مسلمان ہو گئے اور جو آخر تک نہیں ہوئے، ان میں سے بعض کے لیے وہی قتل کی سزا تجویز ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اعلان فرمایا کہ یہ لوگ اگر کعبے کا غلاف پکڑ کر بھی پناہ مانگیں تو بھی ان کو معاف نہ کیا جائے۔

چند اعتراضات

i۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ کفار مکہ پر عذاب مومنین کے ہاتھوں آیا اور بنی اسرائیل پر مشرک قوموں کے ہاتھوں،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایسا کیوں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے خود پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی کہ عذاب کی مستحق قوم کو سزا اگر انسانوں کے ہاتھوں سے دی جانی ہو تو وہ ذریت ابراہیم کے مومنین کی طرح کی کوئی منتخب قوم ہی ہو۔ سزا تو سزا ہے، کبھی مومنین کے ہاتھوں دی گئی، کبھی غیر مسلمین کے ہاتھوں اور کبھی قدرتی آفات کے ذریعے سے۔ سزا کی نوعیت اور سزا کے آلۂ کار کا تعین حالات پر منحصر ہے۔ رسول کے ساتھیوں کے ہاتھوں عذاب آنے کی شرائط پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو بھی اس کام کے لیے چنا گیا تھا، جیسا کہ پیش تر بتایا گیا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدرتی آفات کے ذریعے آنے والے عذاب کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی طرح انسانوں کو جب وہ کسی پر عذاب مسلط کرنے کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کرتا ہے، تو ان کو بھی اپنی طرف منسوب کرتا ہے، درج ذیل آیت دیکھیے، جس میں قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے آنے والے عذاب کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے:

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ. (الاعراف ۷: ۱۳۳)

''سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ مگر وہ تکبر کرتے رہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ مجرم لوگ تھے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن رومیوں کو بھی اپنے بندے کہا جن کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر تباہی، ذلت اور محکومی مسلط کی:

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَ کَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۵)

''(لہٰذا دونوں مرتبہ سخت سزا پاؤ گے)۔ پھر (تم نے دیکھا کہ) جب اُن میں سے پہلی بار کے وعدے کا وقت آ جاتا ہے تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے اٹھا کر مسلط کر دیتے ہیں جو نہایت زور آور تھے۔ سو وہ تمھارے گھروں کے اندر گھس پڑے اور وعدہ پورا ہو کے رہا۔''

ii۔ ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ قتال کی سزا اگر شرک کے جرم پر ہی آتی ہے تو چونکہ بنی اسرائیل مشرک نہیں تھے تو تاریخ میں ان پر قتال کی سزائیں بھی کیوں نافذ رہیں؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس پر عرض ہے کہ شرک پر محض قتال کی سزا نہیں، بلکہ استیصال کی سزا آتی ہے، جس کی ایک صورت قتال بھی ہے، دیگر صورتوں میں قدرتی آفات سے بھی استیصال کیا گیا ہے۔ قتل وقتال ایک سزا ہے، جو ضروری نہیں کہ صرف شرک کی سزا کے طور پر ہی ملے۔ اس سے کم تر جرائم پر بھی قتل کی سزا مل سکتی ہے۔ مثلاً، ناحق قتل کرنے کے جرم کی سزا میں قصاص کے طور پر بھی مجرم کو قتل ہی کیا جاتا ہے۔ اس لیے بنی اسرائیل پر قتال کا عذاب شرک سے کم تر گناہوں پر بھی آیا، لیکن ان کا استیصال نہیں کیا گیا۔ خدا کی طرف سے قتل کی سزا مسلط ہونے کی وجہ اگر شرک نہ ہو تو پوری قوم کا استیصال نہیں ہوتا، نیز شرک کرنے کی صورت میں بھی قتل کی سزا جب مسلط ہوتی ہے تو اس میں بھی متنبہ کر کے ایمان لانے والوں کے قتل سے بچنے کی گنجایش موجود ہوتی ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۵ میں بتایا گیا ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

''سو جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

iii۔ یہاں ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل پر استیصال کا اگر عذاب اس لیے نہیں آیا تھا کہ ''سب تو شرک میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، بلکہ کچھ توحید پر قائم بھی رہتے تھے تو سوچیے کہ توحید پر قائم لوگ تو ہر معاشرے میں، یہاں تک کہ مشرکینِ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل فترت کے عہد میں بھی پائے جاتے تھے۔ پھر ان پر استیصال کا عذاب کیوں مسلط کر دیا گیا؟''

اس پر عرض ہے کہ عرب معاشرے کے موحدین کوئی ایسا قابل لحاظ گروہ تو تھا نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی مستقل جنگ ہوئی ہوتی تو یہ اعتراض کیا جاتا۔ یہ لوگ انفرادی طور پر کہیں کہیں پائے جاتے تھے۔ اتنا گمان البتہ کیا جا سکتا ہے کہ ان موحدین میں سے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجاے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے ہوئے، جیسا کہ اس دور کا قبائلی نظام تقاضا کرتا تھا، مسلمانوں سے جنگ کی ہوگی، وہ عصبیت کی لڑائی لڑتے ہوئے مارے گئے ہوں گے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اتمام حجت کے قانون کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی عذاب سے پہلے کسی منکر کو کسی صورت موت نہیں آئے گی، یا کوئی جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہو تو اتمام حجت سے پہلے اس کو قتل نہ کیا جا سکے، محمد رسول اللہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے منکرین نے جو جنگی اقدامات کیے وہ جارحیت تھی جس پر ان کے ساتھ قتال کیا گیا اور وہ مارے بھی گئے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے ایسے موحدین یا تو وقت کے ساتھ مسلمان ہوتے گئے یا پھر جارحیت کے نتیجے میں عصبیت کی جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے، یا منافقین کی طرح بظاہر مطیع ہو کر اپنی سرگرمیوں سے تائب ہو کر وقت گزار کر مر گئے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com